تاریخی حقایق

از

(جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی دار العلوم معینیہ ستار مونگیر)

"ادھر چند مہینے ہوئے، میں نے "تاریخ مشائخ چشت" پڑھی، اس سوا آٹھ سو صفحات کی ضخیم کتاب میں ساری باتیں ہی کام کی ہیں، مگر چند واقعات جو مرے قلب و دماغ پر اثر انداز ہوتے، ان پر نشان لگاتا گیا آج کی فرصت میں انہی میں سے کچھ واقعات حاضر خدمت ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔ (ظفیر صدیقی)

مفتاحی احباب کے اصرار سے اپنے اس ادارہ کی طرف نسبت کا اضافہ کیا جا رہا ہے جس کے "دامن تعلیم و تربیت" سے چار سال تک وابستہ رہا اور جس کے علوم و فنون کے باغ نے مری روح اور مرے دل و دماغ کو "حیات جاوداں" بخشی۔

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ نے ایک دفعہ فرمایا

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی، جس میں لکھا ہوا تھا، کہ "جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا" کیوں کہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا محل ہے ——— یہ بھی فرمایا "قیامت کے بازار میں کوئی اسباب اتنا مروج اور قیمتی نہ ہوگا، جتنا دلوں کو راحت پہنچانا"[1]

دلوں کو راحت پہنچانا ہمارے بزرگوں کی نظر میں کتنا اہم کام ہے، کیا اب یہ بات باقی رہی؟ اب تو اس دور میں کسی کو ستانا، اذیت دینا اور دل زخمی کرنا ہی عمدہ بات کہی جاتی ہے، وہ بات مزہ دار ہی نہیں، جس میں کچھ تیر و نشتر نہ ہوں،

ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

"جس قدر غم و اندوہ مجھے رہتا ہے کسی کو اس جہاں میں نہ ہوگا، اس واسطے کہ اتنی مخلوق مرے پاس آتی ہے

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص

اور اپنے رنج وتکلیف بیان کرتی ہے، ان سب کا بوجھ مرے دل وجان پر پڑتا ہے، وہ عجب دل ہوگا جو مسلمان بھائی کا غم سنے اور اس پر اثر نہ ہو"[1]

غریبوں اور مصیبت زدوں کی ایسی فکر اب کس کو ہوتی ہے؟ اپنا پیٹ بھر گیا سمجھے ساری دنیا آرام میں ہے، اب تو ہمارے زمانہ کی روش ہی بدلی ہوئی ہے، غریبوں کو کوئی نہیں پوچھتا، چند ہی لوگ نکلیں گے جو خلوص سے ان مصیبت زدوں کے لئے دعا بھی کرتے ہوں گے،

شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا یقین تھا کہ برائی کا بدلہ اگر برائی سے دیا جاتے تو پھر یہ دنیا انسانی بستی باقی نہ رہے، کچھ اور ہو جائے، آپ فرمایا کرتے تھے

"اگر کوئی کانٹا رکھے اور تو بھی اس کے عوض کانٹا ہی رکھے، تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے،۔۔۔ ۔۔ یہاں نیک و بد دونوں کے ساتھ نیک ہونا چاہتے"[2]

یہ تھا عمل ہمارے اسلاف کا، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "احسن الی من اساء الیک" پر اس دور میں یہ بات لوگوں کی سمجھ میں بھی نہ آئیگی، کہ برائی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے، یہاں تو ردِ عمل کا دورہ پڑا ہوا ہے، اگر کوئی کسی کی انگلی کاٹنے کو صرف کہے، تو دوسرا موقع پاکر اس کے بدلہ میں اس کی گردن کاٹ ڈالے، ہندوپاک میں اقلیت کی خوں ریزی اور عصمت دری کے جو واقعات پیش آتے وہ اسی ردِ عمل کے نام پر،

اسی چیز کو محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے موقع پر اس طرح فرمایا

"دو چیزیں ہیں ایک نفس، دوسرے قلب، جب کوئی نفس سے پیش آئے تو اس سے قلب سے پیش آنا چاہتے، یعنی نفس میں دشمنی، غوغا، اور فتنہ ہے، اور قلب میں سکوت رضا اور نرمی، پس جب کوئی نفس (دشمنی) سے پیش آئے تو اس سے قلب (نرمی) سے پیش آنا چاہئے، اس طرح نفس (دشمنی) منقو ہو جائے گا، لیکن اگر نفس کا جواب نفس سے دیا جائے، تو پھر دشمنی اور فتنہ کی کوئی حد نہیں رہے گی"[3]

کتنا دل نشین پیرایہ میں اس مسئلہ کو آپ نے سمجھانے کی سعی کی ہے، کاش ہم اس مسئلہ کو یقین

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صـ۱۷۳ [2] ایضاً صـ۱۹ [3] ایضاً صـ۵

کے ساتھ سمجھ لیں تو پھر دنیا میں جو فتنہ و فساد برپا ہے اور انسانی آبادی کو خاکستر بناتا چلا جاتا ہے، ختم ہو جائے، اور انسانیت کو سکون میسر آجائے،

ایک دفعہ آپ نے دوسرے کی عداوت کے ازالہ کی تدبیر بتاتے ہوئے فرمایا،

"اگر دو آدمیوں میں جھگڑا اور رنجش ہو، تو طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنا دل بالکل پاک و صاف کرلے، جب ایک شخص اپنا باطن عداوت سے پاک کرلے گا، تو دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا"[1]

ضرورت ہے کہ یہ نصیحتیں ہمارے وزرار، علمار، صوفیار اور دوسرے طبقوں کے لوگ غور سے پڑھیں اور ان پر عمل کریں، آپ سے ایک دفعہ یہ شکایت کی گئی کہ برسر منبر کچھ لوگ آپ کو برا کہتے ہیں یہ سُن کر آپ نے فرمایا۔

"جس نے مجھے برا اور ناسزا کہا ہے میں نے اسے معاف کر دیا، تمہیں بھی چاہیے کہ ان لوگوں کو معاف کردو"[2]

اب یہ اعلیٰ اخلاق ناپید ہوتا جارہا ہے، خدا کرے ہم ان کے فوائد کو سمجھیں

کچھ بدباطنوں نے خانقاہ میں آکر منہ پر آپ کو برا بھلا کہہ دیا سن کر خموشی اختیار فرمالی، اس سلسلہ میں ایک دن فرمایا

"لوگوں کے آپس کے معاملہ کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ ایک شخص سے دوسرے کو نہ فائدہ پہنچے اور نہ نقصان، ایسا شخص جماد کا حکم رکھتا ہے، دوسری قسم اس سے بہتر ہے اس میں وہ لوگ شامل ہیں جن سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے، نقصان نہیں پہنچتا، تیسری قسم یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا ہے، اگر لوگ اسے مضرت پہنچاتے ہیں تو وہ اس کی پاداش و مکافات کا خیال نہیں کرتا، بلکہ تحمل کرتا ہے اور تکلیفوں کو سہتا ہے، اصل میں یہ کام صدیقوں کا ہے"[3]

ایک چوتھی قسم کا آپ نے ذکر ہی نہیں فرمایا جن سے صرف نقصان ہی نقصان پہنچتا ہے، یہ قسم ہمارے اسلاف کے خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی اور غالباً یہی وجہ ہوئی کہ اسے ذکر نہیں فرمایا مگر ہمارے اس زمانہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جو صرف ایذارسانی کا ہی کام کرتے ہیں، نفع پہنچانا

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۵ [2] ایضاً [3] ایضاً ص۵۲

جانتے بھی نہیں۔

انسانوں سے محبوب الٰہیؒ کو بڑی ہمدردی تھی لکھا ہے۔

"گرمی کا موسم تھا، ایک دن حاضرین کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ سائے میں جگہ نہ رہی، لوگ دھوپ میں بیٹھنے لگے، حضرت محبوب الٰہیؒ کی طبیعت بے چین ہوگئی، فرمایا ——— ذرا پاس پاس ہو بیٹھو، تاکہ وہ بھی سائے میں بیٹھیں، کیونکہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں اور جلتا میں ہوں"[1]

اب یہ درد اور بے چینی کہاں رہی؟ یہ بڑی قیمتی دولت تھی، جس سے اپنے اور غیر دونوں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے کاش اسے ہم آج پھر اپنا لیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ اکثر روزہ رکھا کرتے تھے، مگر سحری شاذونادر ہی آپ نے کبھی کھائی ہو، خادمِ سحری خواجہ عبدالرحیمؒ عرض کرتے۔

"مخدوم! آپ نے افطار کے وقت بہت ہی کم کھانا تناول فرمایا، اگر سحری کے وقت بھی تھوڑا سا کھانا تناول نہ فرمائیں گے تو ضعف بڑھ جائے گا، اور طاقت سلب ہو جائے گی، خواجہ عبدالرحیم کی یہ بات سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ زار و قطار رونے لگتے، اور فرماتے ——— بہت سے مساکین اور درویش مسجدوں کے کونوں اور دکانوں کے گوشوں میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہوتے ہیں، بھلا یہ کھانا میرے حلق میں کس طرح اتر سکتا ہے"[2]

آج جن لوگوں نے بھوکوں ننگوں اور مصیبت زدوں کے نام پر انگریزوں کو نکال کر حکومت سنبھالی، ان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی ذات پر ہزاروں روپے ماہانہ خرچ کرتے ہیں، مگر ایک بھوکے کا بھی فاقہ نہیں توڑتے، ایک ننگے کو بھی انھوں نے چھ سال کی حکومت میں اپنا ایک پیسہ نہیں دیا جو کچھ کیا اپنے لئے کیا، ان کو حضرت محبوب الٰہیؒ کے اس واقعہ سے سبق سیکھنا چاہئے، کہاں ہیں مختلف جماعتوں کے لیڈرانِ کرام پیغمبر اسلام کے اس فقیر بے نوا سے سبق حاصل کریں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ عبادت سے زیادہ اہمیت انسانی خدمت کو دیتے اور فرماتے نماز روزہ

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۱۶۵ [2] ایضاً ص۱۶۵

کوئی مشکل کام نہیں، مشکل یہ ہے "بنی نوع انسان میں شگفتگی پیدا کرنا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا، برائی سے بچانا اور بھلائی کی طرف بلانا"

حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ فرمایا کرتے تھے

"جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک جنابت (ناپاکی) دل کی، دوسری جنابت بدن کی، بدن کی جنابت وہ ہے، جو عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہو، اور دل کی جنابت نالائقوں کی صحبت سے ہوتی ہے، بدن کی جنابت تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے، لیکن دل کی جنابت آنسوؤں سے دھوئی جاتی ہے"[1]

دل کی گندگی اور اس کی پاکی کا مسئلہ خوب سمجھایا۔ واقعہ ہے بدکردار و بداخلاق کی صحبت انسان کے قلب کو آلائشوں سے بھر دیتی ہے، اگر کوئی اسے دور کرنا چاہتا ہے تو اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ رب العزت کے آگے روئے اور گڑگڑائے، کاش عام مسلمان اور علمار کرام اس مسئلہ کو سمجھتے اور عمل کرتے،

شیخ ہجویریؒ نے بیان فرمایا

"ایک علم کے مدعی نے ایک فقیر سے کہا کہ تو نے نیلگوں لباس کیوں پہنا ہے؟ اس نے جواب دیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں باقی رہیں، ایک فقیری، دوسرے علم، تیسرے تلوار ـــــــ تلوار بادشاہوں نے پائی، مگر انھوں نے اس کو موقع پر استعمال نہ کیا، علمار نے علم اختیار کیا۔ مگر صرف سیکھنا ہی پسند کیا (عمل بھول گئے ظفیر) اور فقیری فقیروں کے گروہ نے پسند کی، مگر اس کو امیری کا آلہ بنایا، ان تینوں گروہ کی مصیبت پر نیلگوں لباس پہنا ہے"[2]

آج کل کے امرار، اور حکمراں طبقہ، علمار اور سجادہ نشین صوفیار، دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیں نیلگوں پوش فقیر نے جو بات کہی تھی صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر ان کو سوچنا چاہئے کہ ایک دن مرنا ہے اور رب العزت کے سامنے حاضر ہونا ہے، اپنی اپنی صحیح راہ اختیار کریں اور غلط راستے سے توبہ کریں، اسی میں نجات ہے،

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۹۵ [2] ایضاً ص ۱۶۶

ایک دفعہ ہارون رشید اپنے وزیر فضل کے ساتھ خواجہ فضیل بن عیاض کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ صاحب نے حاضری کی اجازت نہیں دی، خلیفہ کی حیثیت سے داخل ہونا پڑا، اس موقع سے خلیفہ ہارون رشید نے نصیحت کی درخواست کی، ان میں ایک نصیحت یہ تھی۔

"یہ ملک ترا گھر ہے، اور خلقت تری اولاد، ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں پر مہربانی، بچے بچیوں سے نیک سلوک کر، اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی، تو قیامت کے دن وہ بھی تری دامن گیر ہوگی، اور ترے ساتھ جھگڑے گی"[1]

یہ نصیحت اس لائق ہے، کہ آج کل کے صدر جمہوریہ، گورنر جنرل، وزرائے اعظم اور دوسرے ذمہ دار حکام اس کو بار بار پڑھیں اور اگر یہ درست ہے اور یقیناً درست ہے تو پھر عمل کرنا سیکھیں جو لوگ اسلامی حکومت کو سمجھنا چاہتے ہیں، ان ذروں پر نظر کریں۔

حق گوئی کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے، لکھا ہے

"حضرت سفیان ثوری نے حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں خلیفہ منصور کو پکڑ لیا اور کہا، امیرالمومنین! حضرت عمرؓ نے ایک حج میں جس کے تمام مصارف پر سولہ دینار خرچ ہوئے تھے فرمایا تھا "یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے سارا بیت المال لے لیا" ——— آپ نے خدا اور امت محمدیہ کا بے شمار مال بغیر اجازت صرف کیا ہے، آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟"[2]

اب اس زمانہ میں کسی وزیر، ولی عہد اور حکمراں سے حق بات کہنے کی کوئی جرأت ہی نہیں کرتا حالانکہ یہ اہل علم کا فریضہ ہے کہ وہ کسی سے منکر سرزد ہوتے ہوئے دیکھیں تو اس کو ٹوکیں اور اس کو راہ راست پر لانے کی سعی کریں، ہمارے زمانہ کے علماء اور صوفیاء چند افراد کو چھوڑ کر اگر خود نماز پڑھ لیتے ہیں اور دوسرے کام بے دلی ہی سے کر لیتے ہیں تو خدا پر بڑا احسان رکھتے ہیں، دوسروں کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں کرتے، مگر سوچنا چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم میں جو کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے، اس کو قوت سے روکے، اتنی قدرت نہ ہو تو زبان

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۱۸۷ [2] ایضاً ص۱۸۹

سے روکے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں برا سمجھے اور یہ ادنیٰ اضعف ترین درجہ ہے۔"

امام غزالیؒ نے محمد بن ملک شاہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے،

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب جس کو دیا جائے گا وہ ظالم بادشاہ ہوں گے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، اگر ایک خارشی بکری کی خبرگیری مجھ سے رہ گئی تو قیامت میں مجھ سے مواخذہ ہوگا۔"[1]

اس کے بعد بادشاہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں

"اے بادشاہ! دیکھو حضرت عمرؓ کو باوجود کمال احتیاط، عدل و انصاف کے مواخذہ کا کتنا ڈر تھا، اور ترا حال یہ ہے کہ تجھ کو اپنی رعایا کی کچھ پرواہ نہیں اور کچھ نہیں جانتا کہ ترے ملک والوں کا کیا حال ہے۔"[2]

پھر اسی طرح کی آپ نے نصیحتیں فرمائی ہیں، ظلم و جور سے منع کیا ہے، اور پبلک پر رحم و کرم کرنے کی تاکید کی ہے،

شیخ محی الدین عبد القادرؒ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ مدرسہ میں تھے، اتنے میں

"خلیفہ مستنجد باللہ ابو المظفر یوسف، آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں اور دس تھیلیاں اشرفیوں کی خدمت میں پیش کیں، آپ نے فرمایا مجھے ان تھیلیوں کی ضرورت نہیں، خلیفہ نے اصرار کیا، تو آپ نے ایک تھیلی اپنے دائیں ہاتھ میں لے لی اور دوسری بائیں میں۔ اور دونوں کو دبا کر نچوڑا، تو ان سے خون بہنے لگا، پھر آپ نے فرمایا۔ ابو المظفر! کیا تو حیا نہیں کرتا کہ لوگوں کا خون لے کر مرے پاس آیا ہے"[3]

گویا آپ کو بتانا تھا کہ یہ تھیلیاں ظلم و جور کا نتیجہ ہیں، جو تم نے ستم ڈھا کر اور غریبوں کا خون بہا کر حاصل کیا ہے، یہ تمہاری جائز کمائی نہیں ہے۔ پبلک کا خون چوسنے سے ڈر اتنی بے حیائی پر نہ اترا، ضرورت ہے کہ آج بھی حق پرست علی الاعلان مظالم پر تنقید کریں اور حکمراں طبقہ کو ظلم و جور سے روکیں، پیٹھ پیچھے کہنا کافی نہیں ہے۔ منہ پر کہیں اور تلخ انداز میں کہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں سخت عسرت اور تنگی کی زندگی

---

[1] و [2] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱ [3] ایضاً ص ۱۱۹

گزارہے تھے مگر اس زمانہ میں بھی استغنا کا یہ عالم رہا کہ

"سلطان جلال الدین خلجی نے گاؤں پیش کرنے کی اجازت چاہی تو فرمادیا،" مجھے اور میرے خدمت گاروں کو تمہارے گاؤں کی چنداں ضرورت نہیں، مرا اوران کا خدا کارساز اور میر ساماں ہے۔"[1]

پھر کسی بڑے سے ڈرنے کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے، جو بادشاہ کی جاگیر کو ٹھکرادے بادشاہ خود محسوس کرسکتا ہے کہ وہ کس قلب و دماغ کا انسان ہے۔

حضرت چراغ دہلوی اپنے پرآشوب زمانہ میں ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ قایم رہے اور ہرآن غریبوں اور آنے جانے والوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے، ایک دن خود فرمانے لگے۔

"اب مجھ کو فرصت مشغولی اور خلوت کی نہیں ہے دن بھر مخلوق کے ساتھ رہنا چاہئے، بلکہ قیلولہ بھی میسر نہیں ہوتا، بارہا قیلولہ کرنا چاہتا ہوں، جگا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے اٹھئے۔"[2]

ہمارے زمانہ کے پیر اس واقعہ کو پڑھیں، جو اپنے دروازہ پر پہرہ دار رکھتے ہیں اور مخصوص وقت کے سوا کسی غریب سے نہیں ملتے، باقی مالدار۔ بڑے آدمی سے تو سب ہی ملتے ہیں، یہ پیر اور پیرزادے بھی ملے تو کیا بات ہوئی؟

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ان کی اولاد نے جس طرح فضول خرچی کی، اور جس قدر بیہودہ زندگی گذاری، خدا کی پناہ، جہاں دار شاہ کے متعلق بیان ہے کہ یہ اپنی محبوبہ پر سالانہ دو کروڑ روپیہ خرچ کرتا تھا، اسی طرح فرخ سیر نے گھوڑوں پر بے انتہا روپیہ خرچ کیا، اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ مورخ کے قلم سے سنئے، سر سید احمد خاں لکھتے ہیں۔

"اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا، جو شاہ عالم کے وقت میں تھا شاہ عالم ہی کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی، تمام کارخانے ابتر ہوگئے تھے۔ شاہزادے جو قلعے کے نو محلے میں رہتے تھے ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا۔ اور چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ "بھوکے مرتے ہیں، بھوکے مرتے ہیں۔"[3]

موجودہ زمانے کے وزراء وغیرہ اس واقعہ کو عبرت و بصیرت کی نگاہ سے پڑھیں، جو غریبوں کا

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۱۹۲ [2] ایضاً ص۱۸۳ [3] ایضاً ص۳۳۵

حق غصب کرتے ہیں اور آج بڑی شاندار زندگی کے مالک بنے ہوئے ہیں، قدرت کا قانون ان کو بھی معاف نہ کرے گا، دیر سویر ایک دن آئے گا کہ ان کی اولاد بھی بھوک بھوک چلائے گی، مگر کوئی نہ سنے گا

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ اپنے مریدین کو ترغیب دیتے کہ تبلیغ کرو، اور مخلوق کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، فرماتے ہیں۔

"اپنے جان و مال کو اسی کام میں صرف کرو ——— دینی اور دنیاوی منفعت دنیا کو پہنچاؤ، اپنا عیش و آرام اور راحت انسانوں پر فدا کر دو"[۱]

یہ کسی سیاسی لیڈر کا بیان نہیں، ایک درویش عالم کا فرمان ہے غور کیا جائے مخلوق کی خدمت اور ان کی اصلاح کی ہمارے یہاں کتنی وقعت تھی، نادانی سے لوگوں نے سمجھا ہے کہ علماء کو اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔

شاہ نظام الدینؒ کے متعلق فخر الطالبین میں مذکور ہے

"ان کے پاس اشرفی، روپیہ، پیسے علیحدہ علیحدہ کاغذ میں بندھے ہوئے رکھے رہتے تھے، جو محتاج آتا اس میں سے دیتے تھے، فقیر کو ایک پیسہ سے زیادہ نہ دیتے تھے اور لوگوں کو اشرفیاں تک دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ شریف کے لئے بڑی مشکل ہے، وہ شرم کے مارے بھیک بھی نہیں مانگ سکتا اور فاقہ کرتا ہے ان لوگوں کا کیا ہے یہ تو در در پھر کر خوب جمع کر لیتے ہیں"[۲]

اس زمانہ میں کسی پیر اور پیر زادہ کا خیرات کرنا، اور محتاجوں کی امداد کرنا عنقا ہے، یہ تو خود گداگر بنے در، در مارے پھرتے ہیں۔ جس حلقہ میں نذرانے نہیں ملتے، اس حلقہ میں جانا ہی بند کر دیتے ہیں، اور جب حال یہ ہو تو ان سے تبلیغ اور اصلاح امت کی توقع سراسر دھوکہ ہے آج کل کے پیر اور پیر زادے دل کا استغنا کھو چکے ہیں، ایک بھکاری اور ان میں کوئی زیادہ فرق نہیں، اگر فرق ہے تو یہ کہ یہ ذرا مہذب اور شائستہ ہیں جو جونک کی طرح مریدین کا خون چوس لیتے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں ہوتی،

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص۳۹۶ [۲] ایضاً ص۵۴۹

شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے کہ بہت بلند تھا، لوگوں کی دلداری اپنا فرض سمجھتے تھے، اور ہر آنے والے کو ایک نظر سے دیکھتے تھے، چنانچہ مذکور ہے۔

"ہر شخص کے لئے یہ کھڑے ہو جاتے تھے، اور اس کی تعظیم کرتے تھے، حد یہ ہے کہ چار سال کے بچہ کے لئے بھی وہی مبارک وضع رکھتے تھے جو ستر سالہ بوڑھے یا اکابر و فضلا کے لئے"[1]

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی قبر کو نور سے بھر دے، یہ مساوات و عدل کی اپنے عمل سے تعلیم دے گئے اور ہر حق والے کو اس کا حق دیا۔ اب یہ چیز ناپید ہے اب خاندانی خانقاہوں میں اگر کوئی غریب پہنچ جائے تو وہ صبح سے شام تک بیٹھا رہ جائے مگر ملاقات تک نصیب نہ ہوگی اور اگر کوئی وکیل، بیرسٹر اور حاکم وقت آجائے تو فوراً حجرے کے کواڑ کھل جائیں اور پیرزادے کھڑے استقبال کے لئے نظر آئیں، اب غریبوں، دیہاتیوں اور اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ وہ شفقت و محبت کہاں ؟ جو ہمارے اسلاف میں تھی یہ تو اپنے چھوٹوں کو حقیر نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے ان کی نمائشی زندگی کی قلعی بہت جلد کھل جاتی ہے، اور عوام میں ان کا وقار باقی نہیں رہتا، دولت کے سہارے اس کے برقرار رکھنے کی سعی کی جاتی ہے،

شیخ اورنگ آبادیؒ کا حال یہ تھا کہ بادشاہ دعوت دیتا مگر آپ ٹھکرا دیتے، نواب مدعو کرتا، مگر آپ تشریف نہ لے جاتے ——— آہ اب یہ خودداری کہاں باقی رہی ؟ اب تو حرص و آز نے دنیا کا کتا بنا دیا۔ پیرزادوں کو جب پائیں گے تو کسی با اثر اور رئیس کے گھر پر انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شاہ فخر الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے عالم اور بزرگ گذرے ہیں، ان کے اخلاق کے متعلق لکھا ہے کہ "ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی خندہ پیشانی سے ملتے تھے، کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھتے تو تڑپ اٹھتے، اور اس وقت تک اطمینان کی سانس نہ لیتے جب تک اس کی حسب استطاعت امداد نہ کر دیتے، ان کا ایک واقعہ بڑا عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، لکھا ہے

"ایک مرتبہ حج کے ارادے سے نکلے، جب جہاز میں سوار ہونے لگے، ایک بڑھیا نے بڑھ کر سوال کیا،

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۵۴۹

اور عرض کیا مجھے لڑکی کی شادی کرنی ہے اور مرا حال یہ ہے کہ فاقہ کرتی ہوں، کس طرح یہ کام انجام دوں، شاہ صاحب نے یہ سنتے ہی جہاز سے اپنا سامان اتار لیا اور جو کچھ زادِ راہ تھا، اس بڑھیا کے حوالہ کر دیا، اور خود وطن واپس آ گئے"[1]

اسے کہتے ہیں انسانوں سے سچی ہمدردی، اور مخلوقِ خدا پر شفقت و محبت، ہے کوئی پیر اور پیر زادہ؟ جو اس ایثار کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتا ہو؟ اب ان لوگوں کے دل سخت ہو گئے، دل بھیڑیا جیسا اور زبان شیریں، اوپر سے زرق برق، اور باطن سے کثیف اور گندہ۔ ظاہر سے باطن کو کوئی واسطہ نہیں، مری باتوں کا یقین نہ ہو تو ایک خفیہ کمیٹی کے ذریعہ ان کی پرائیوٹ زندگی کی رپورٹ تیار کروائی جائے ——— یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب کے سب ایسے ہی ہیں، یہ سمجھنا غلط ہوگا، کچھ خدا کے بندے ضرور ہیں مگر بہت کم، بلکہ برائے نام گنے چنے۔

انہی شاہ فخر الدین صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے

"مصیبت میں ہر شخص کی دست گیری کے لئے تیار رہتے، لوگوں کی خوشی اور غم میں شرکت فرماتے، اگر کسی غریب کے یہاں کوئی تقریب یا غمی ہوتی تو کئی کئی بار تشریف لے جاتے، اور اپنے مرید و معتقدین کو ہدایت فرماتے کہ وہ وہاں ضرور جائیں کہ اس کی دلدہی ہو"[2]

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ ہے کہ ان کا خاکروب کئی دن نہ آیا بہت متفکر ہوئے پوچھنے پر معلوم ہوا بیمار ہے فوراً دیکھنے تشریف لے گئے، محبت سے حالات پوچھے اور ایک حکیم صاحب کو اس کے علاج کے لئے متعین فرما دیا اور علاج کے لئے روپیہ دے کر فرمایا

"میاں پیر محمد! تم جو دو روز نہیں آئے، اور فقیر سے اس زمانے میں پرسشِ احوال میں تاخیر ہوئی، معاف فرما دو"[3]

ایمان داری سے یہ بتایا جائے، اب یہ اخلاق و اعمال اس دور کے پیر اور پیر زادوں میں باقی رہا؟ اب بھی کوئی پیر زادہ کسی غریب کی مصیبت میں حالت دریافت کرنے اس کے گھر جائے گا؟ اپنا خیال تو یہ ہے کہ یہ بات آج کل غیر ممکن ہے، ہاں کوئی وکیل صاحب کوئی نواب صاحب یا کوئی وزیر صاحب بیمار پڑیں تو بلاشبہ تشریف لے جائیں گے۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۴۸۳ [2] ایضاً ص۴۸۱ [3] ایضاً ص۴۸۹

غریبوں کو جس طرح دنیادار ظالم حکام اور وزلو حقیر سمجھتے ہیں ہمارے پیر اور پیرزادوں کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ بہتر نہیں جن لوگوں کو پیر کی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ مری باتوں کی تائید کریں گے:

شاہ فخر الدینؒ نے ملک میں ابتری پھیلتے ہوئے دیکھا تو نہ رہا گیا، ایک دن بادشاہ سے صاف صاف کہا

"سلطان وقت جب تک بذاتِ خود امورِ سلطنت کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور محنت و مشقت اختیار نہ کرے گا حالات کبھی ٹھیک نہ ہوسکیں گے"[1]

اور پھر انھوں نے بادشاہ کو بے پروائی کے نتائج سے آگاہ کیا، کہ ملک کا کیا حشر ہوگا، ہمارے اسلاف تبلیغ اور اصلاح کا حق ادا کر گئے کہیں سے کوئی ایسی کمزوری اختیار نہ کی جو قوم و ملک کے لئے مضر ہو شاہ صاحبؒ نے بادشاہ اور امراء وقت سے کوئی جاگیر قبول نہ کی، بلکہ ان کو ڈانٹ بتلاتے رہے لکھا ہے۔

"ہر چند حضرت ظل سبحانی اور ان کے امراء نے جو آپ کے مرید و معتقد تھے دیہات قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن قبول نہ کی، بلکہ فرمایا کہ اگر یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسی شہر میں رہیں تو اس طرح کی بات پھر زبان پر نہ آئے"[2]

بتایا جائے یہ عزت نفس اب ہمارے زمانہ کے پیر اور پیرزادوں میں ہے؟ پھر جو کچھ ہمارے پہلے زمانہ کے بزرگوں کو حاصل تھے، ان کو کیوں کر نصیب ہوں گے، اب خدا پر بھروسہ نہ کسی پیر پیرزادہ کو رہا اور نہ کسی درویش کو۔ اب تو قناعت کا مسئلہ خانقاہوں میں فراموش کر دیا گیا۔ رات دن ھَلْ مِنْ مَزِيْد کا نعرہ ہے، مریدوں کو لوٹنے کے لئے رات دن دورے کئے جاتے ہیں۔ چوں کہ ناجائز پیسوں سے خانقاہیوں کا گوشت پوست تیار ہوتا ہے۔ اس لئے آج جتنی برائی مسلمانوں کے ان "صنم خانوں" میں ہے، شاید ہی کہیں ہو اور دین کے احکام سے جو جرم ان کی عورتوں اور بچوں کو ہے، کسی معمولی مسلمان کو بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۳۰۹ [2] ایضاً ص۳۱۰

لکھا ہے کہ ایک دفعہ سلطان المشائخؒ کے عرس کے موقع پر مولانا شاہ فخرالدین صاحبؒ کے ایک دو مرید اور صوفی یار محمد طوائفوں کا ناچ دیکھنے لگے، آپ نے کسی طرح دیکھ لیا تو بہت خفا ہوئے اور

"اپنے دست مبارک کی انگلیاں ان کے گریبانوں میں ڈال کر ان کو کھینچا اور فرمایا ہمارے بزرگوں نے بڑا خونِ جگر پی کر قوالوں کے سماع کو درجہ اباحت تک پہنچایا ہے اور تم ہو کہ عورتوں کا رقص دیکھتے ہو اور ان کا گانا سنتے ہو"[1]

اب تو ہمارے زمانہ کے کچھ پیروں نے سماع اور قوالی کو واجب قرار دے لیا ہے جب تک عرس میں قوالی نہ ہو، مرنے والے کی روح خوش ہی نہیں ہوسکتی، اور اب بھی کچھ پیروں کے مریدین قوالی سنتے سنتے عورتوں کے گانے ناچ کو بھی معیوب نہیں سمجھتے، بلکہ وہ کہتے ہیں یہاں بھی خدا کی یاد قلب کو گرمادیا کرتی ہے۔ ع چو کفر از کعبہ برخیزد، کجا ماند مسلمانی!

خواجہ محمد عاقلؒ جو سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ ہیں ان کا نظام الاوقات ملاحظہ فرمائیں:

"مغرب کی نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد وہ شغل و ذکر میں مصروف ہوجاتے تھے، پھر کھانا کھاکر عشاء کی نماز با جماعت پڑھتے، اس کے بعد مریدوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہوجاتے تھے آدھی رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا، تہجد کی نماز پڑھ کر ذکر جہر کرتے تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ طلبہ کو درس شام کے وقت دیتے تھے، ڈیڑھ پہر دن باقی ہوتا تھا کہ ان کا حلقہ درس شروع ہوجاتا تھا"[2]

اندازہ لگایا جائے کہ ہمارے بزرگانِ دین اپنے اوقات کو کتنے اچھے کاموں میں صرف کرتے تھے اور کتنی محنت کرتے تھے۔ اب یہ چیزیں عنقا ہوتی جارہی ہیں، ضرورت ہے پھر انہی پرانے طریقوں کو دہرایا جائے۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ بھی سلسلہ چشتیہ کے ایک نامی گرامی بزرگ گزرے ہیں ان کی زندگی دین کی اشاعت اور سنت نبوی کی ترویج میں گزری، احکام دین کے عاشق تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کے سارے مصائب اور دردِ دکھ کی وجہ دین سے دوری ہے، فرماتے تھے:

"مسلمانوں نے اچھے اعمال چھوڑ دیے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کردیا ہے"[3]

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۵۱۱ [2] ایضاً ص ۵۸۸ [3] ایضاً ص ۶۰۹

کتنی اچھی اور صحیح بات فرماتے تھے، اب یہ احساس کہاں رہا، اب ہر ایک دوسرے کو الزام لگاتا ہے اور سیاسی وجہیں پیش کر کے اپنے مریدوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ صحیح وجہ وہی ہے جو شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے۔

شاہ سلیمان تونسویؒ فرمایا کرتے تھے:

"حضرت بایزید بسطامیؒ کی سی انکساری پیدا کرنی چاہیے۔ ایک مرتبہ بارش کی کمی ہوئی، نماز استسقاء کے باوجود بارانِ رحمت نازل نہیں ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ بُرے لوگوں کی شامتِ اعمال سے یہ ہوا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے جب یہ سُنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ سب سے بُرا تو میں ہی ہوں[1]"

اب یہ انکساری ہمارے پیر اور پیرزادوں میں باقی رہی؟ اب وہ اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر دوسروں کی غیبت کرتے رہتے ہیں، اور سارا قصور دوسروں کے سر ڈالتے ہیں، اپنے کو پاک دامن اور منزہ عن الخطا سمجھتے ہیں، حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ خود یہ جتنے بڑے ہوتے ہیں کہ الاماں الحفیظ، کاش یہ اپنے اعمال و اخلاق کا جائزہ لیتے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بات بڑی درست فرمائی:

"توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اُگتا جہاں شرک، حسد، اور ریا کے کانٹے موجود ہوں[2]"

انصاف سے بتایا جائے آج کون پیرزادہ ہے جو ان عیوب سے پاک ہے، ریا اور حسد ان کی گھٹی میں ہے، دوسروں کی عزت و شہرت ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، دکھاوے کے لیے نہ معلوم کتنی ناجائز باتیں کر گزرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ کل ہمیں بھی مرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

(باقی)

---

[1] تاریخ مشائخ چشت۔ ص ۶۲۲   [2] ایضاً